توحید سب سے پہلے اے داعیانِ اسلام!

شیخ محدث علامہ ناصر الدین البانی (رحمہ اللہ)

مترجم

طارق علی بروہی

انتباہ

اہم نوٹ

کتاب ھذا ایک آن لائن کتاب ہے جو ویب سائٹ اصلی اہل سنت ڈاٹ کام کے لئے شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ پر رکھنے کے لئے مرتب کیا گیا تاکہ اس کی باآسانی نشر واشاعت ہو سکے۔ فی الوقت ہمارے علم کے مطابق اس سے پہلے یہ ترجمہ وترتیب اس کی اصل عربی سے کہیں اور موجود نہیں۔ چونکہ اس کتاب کو مفت آن لائن تقسیم کے لئے جاری کیا جارہا ہے لہٰذا اس کی ذاتی یا تبلیغی مقاصد کے لئے پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذریعہ سے محض اس کے مندرجات نشر کرنے کی اجازت مرحمت کی جاتی ہے لیکن اسے منافع کمانے کے لئے چھاپنے (پبلش) کرنے کی اجازت نہیں الا یہ کہ اصل پبلیشرز سے پیشگی اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت دے دی جائے۔

نام کتاب : توحید سب سے پہلے اے داعیان اسلام**!**

مولف : شیخ محدث علامہ محمد ناصر الدین البانی (رحمۃ اللہ علیہ)

مترجم : طارق علی بروہی

صفحات : ۲۷

ناشر : اصلی اہل سنت ڈاٹ کام

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا.

من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾ **(آل عمران : ۱۰۲)**

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً ﴾ **(النساء : ۱)**

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً . يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً ﴾ **(الأحزاب:۷۰-۷۱)**

یہ انتہائی عظیم نفع بخش اور فائدہ مند رسالہ ہے[1] جو کہ ایک سوال کا جواب ہے جو اس دور کے علماء میں سے ایک عالم دین فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی (رحمہ اللہ) نے دیا ہے اور (امت کو) نفع پہنچایا ہے' اس میں ایک ایسے سوال کا جواب دیا گیا ہے جو اس دین کی غیرت رکھنے والوں' اسے اپنے دل میں بسا لینے والوں اور

[1] اس رسالے کی اصل ایک کیسٹ ہے جسے کتابی صورت میں لکھنے کے بعد مجلۃ السلفیۃ، چوتھے ایڈیشن ۱۴۱۹ھ میں طبع کیا گیا۔

اپنی فکر کو اس کے مطابق ڈھالنے کی شب و روز کوشش کرنے والوں کی زبان زد عام ہے' اور وہ سوال مجمل طور پر مندرجہ ذیل ہے :

سوال : وہ کیا طریقۂ کار ہے جو مسلمانوں کو عروج کی جانب لے جائے اور وہ کیا راستہ ہے کہ جسے اختیار کرنے پر اللہ تعالی انہیں زمین پر غلبہ عطاء کرے گا اور دیگر امتوں کے درمیان جو ان کا شایان شان مقام ہے اس پر فائز کرے گا؟

پس علامہ البانی (نفع اللہ بہ) نے اس سوال کا نہایت ہی مفصل اور واضح جواب ارشاد فرمایا۔ ہم نے اس جواب کی افادیت کے پیش نظر اسے نشر کرنے کا عزم کیا۔ آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے یہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور مسلمانوں کو اس چیز کی طرف ہدایت دے جس سے وہ محبت کرتا اور راضی ہوتا ہے' بیشک وہ جواد و کریم ہے۔

توحید سب سے پہلے اے داعیان اسلام !

سوال : فضیلۃ الشیخ بلاشبہ آپ جانتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کی دینی حالت نہایت ابتر ہے عقیدہ اور اعتقادی مسائل سے جہالت کے اعتبار سے اور اپنے مناہج میں افتراق کے اعتبار سے بھی' کہ پوری دنیا میں اکثر دعوت اسلام پہنچانے میں اس عقیدۂ اول اور منہج اول سے غفلت برتی جاتی ہے جس کے ذریعہ امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ یہ المناک حالت یقیناً مخلص مسلمانوں کے اندر غیرت کو ابھارتی ہے اور اس کو بدل دینے اور اس خلل کی اصلاح کرنے کی جانب رغبت دلاتی ہے' مگر جیسا کہ فضیلۃ الشیخ آپ جانتے ہیں کہ اس اصلاح کی خاطر وہ اپنے میلاناتِ عقیدۂ و منہج میں اختلاف کی وجہ سے اپنے طریقۂ کار میں اختلاف کا شکار ہیں۔ ان مختلف تحریکوں اور اسلامی حزبی جماعتوں کو آپ جانتے ہیں جو برسوں دہائیوں سے امت کی اصلاح کا ڈنڈھورا پیٹ تو رہی ہیں' مگر اس کے باوجود ان کے لئے آج تک کوئی نجات یا فلاح رقم نہیں ہوئی' بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کی وجہ سے فتنے ابھرے' آفتوں کا نزول ہوا اور عظیم مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی وجہ ان کی اپنے عقیدہ و منہج میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم اور جو کچھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لے کر آئے کی مخالف کرنا ہے۔

اس بات نے مسلمانوں خصوصاً شبابِ امت میں اس صورتحال کے علاج کی کیفیت کے بارے میں ایسا گہرا اثر چھوڑا ہے کہ سب حیران وپریشان ہیں۔ ایک مسلمان داعی جو منہج ِنبوت سے تمسک کرتا ہے اور سبیل المومنین کی اتباع کرتا ہے، فہم صحابہ اور جنہوں نے بطریقۂ احسن ان کی پیروی کی کی بجاآوری کرتا ہے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس صورتحال کی اصلاح یا اس کے علاج میں مشارکت کے سلسلے میں اس نے ایک عظیم امانت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

آپ کی کیا نصیحت ہے ایسی تحریکوں یا جماعتوں کی اتباع کرنے والوں کے لئے؟

اوراس صورتحال کے علاج کا کون سا نفع بخش اور مفید طریقے ہیں؟

اور ایک مسلمان کسطرح بروز قیامت اللہ تعالی کے سامنے بریٔ الذمہ ہوگا؟

جواب از علامہ محمد ناصرالدین البانی (رحمۃاللہ علیہ)

انبیاء ورسل (علیہم الصلاۃ والسلام) کے منہج کے مطابق سب سے پہلے توحید پر خصوصی عنایت اور اس کا اہتمام واجب ہے

مسلمانوں کی جو زبوحالی ابھی سوال میں بیان ہوئی ہم اس پر کچھ اضافہ کریں گے وہ یہ کہ:

یہ الم ناک صورتحال اس سے بدتر نہیں جو صورتحال جاہلیت میں عرب کی ہوا کرتی تھی کہ جب ان میں ہمارے نبی محمد رسول اللہ (ﷺ) مبعوث ہوئے؛ کیونکہ ہمارے پاس تو رسالت موجود ہے، اور اس کی تکمیل بھی، اور ایسا گروہ بھی جو حق پر قائم ہے، جن کے ذریعہ ہدایت ملتی ہے، اور یہ لوگوں کو عقیدہ، عبادت، سلوک اور منہج کے اعتبار سے صحیح اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے بہت سے گروہوں کی جو حالت ہے وہ دور جاہلیت کے عرب کی مانند ہے!۔

اس بناء پر ہم یہ کہتے ہیں: ان کا علاج بھی وہی علاج ہے' اور ان کی دواء بھی وہی دواء ہے۔ چنانچہ جیسے نبی اکرم (ﷺ) نے اس جاہلیتِ اول کا علاج کیا تھا' اسی طرح تمام موجودہ داعیان اسلام کو کلمۂ توحید "لا الہ الا اللہ" (اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کے سوءِ فہم کا علاج کرنا ہوگا' اور انہیں چاہیے کہ اپنی اس المناک حالت کا اسی علاج و دواء سے معالجہ کریں۔ اس کا معنی بالکل واضح ہے؛ اگر ہم اللہ تعالی کے اس فرمان پر غور و تدبر کریں:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً ﴾ **(الاحزاب: ۲۱)**

(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے' ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالی کی یاد کرتا ہے)

پس ہم مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کے معالجہ کے لئے اور ہر زمانے کے لئے بھی رسول اللہ (ﷺ) ہی بہترین نمونہ ہیں۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اسی چیز سے ابتداء کریں جس سے ہمارے نبی (ﷺ) نے ابتداء کی تھی یعنی سب سے پہلے مسلمانوں کے فاسد عقائد کی اصلاح کرنا' پھر اس کے بعد ان کی عبادتوں کی' اور پھر ان کے سلوک کی۔ میری اس ترتیب سے کہ سب سے پہلے اہم ترین چیز سے شروع کرنا چاہیے پھر اس کے بعد جو اہم ہو پھر جو اس کے بعد سے مراد یہ نہیں کہ میں ان میں تفریق کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ مسلمان اس کا بہت زیادہ شدید اہتمام کریں۔ یہاں مسلمانوں سے میری مراد طبعاً داعیان ہیں۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ میں کہوں مسلمانوں کے علماء؛ کیونکہ صد افسوس آج داعیان کے اندر ہر مسلمان داخل ہے خواہ وہ علمی طور پر بالکل کنگال ہی کیوں نہ ہو۔ پس وہ اپنے آپ کو داعیانِ اسلام شمار کرنے لگتے ہیں۔ اگر ہم اس معروف قاعدے کو یاد رکھیں جو صرف علماء کرام کے نزدیک ہی نہیں بلکہ ہر ذی عقل شخص کے نزدیک بھی جانا پہچانا ہے "فاقد الشیء لا یعطیہ" (جو کسی چیز کا خود حامل نہیں وہ دوسروں کو نہیں دے سکتا)۔ ہم جانتے ہیں آج ایک بہت بڑا گروہ ہے جو لاکھوں مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کی طرف نظریں اٹھتی ہیں جب دعاۃ (داعیوں) کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ میری اس سے مراد جماعۃ الدعوۃ یا تبلیغی جماعت ہے' اس کے باوجود اکثر لوگ اللہ تعالی کے فرمان کے بموجب:

﴿ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (الأعراف: ١٨٧)

(اور اکثر لوگ نہیں جانتے)

ان کے طریقۂ دعوت کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ جن امور کا میں نے ابھی ذکر کیا یعنی عقیدہ، عبادت اور سلوک ان میں سے پہلی بنیاد یا اہم ترین بات کے اہتمام سے وہ مکمل طور پر اعراض برتتے ہیں۔ اس اصلاح سے جس سے نہ صرف رسول اللہ (ﷺ) نے بلکہ تمام انبیاء کرام (علیہم الصلاۃ والسلام) نے آغاز فرمایا جسے اللہ تعالی نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (النحل: ٣٦)

(ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے یہی دعوت دی کہ ایک اللہ تعالی کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو)

پس یہ لوگ اس بنیادی اساس اور ارکانِ اسلام میں سے رکنِ اول کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے جیسا کہ تمام مسلمان اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ وہی بنیادی اساس ہے جس کی دعوت تمام رسولوں میں سے پہلے رسول نوح (علیہ الصلاۃ والسلام) تقریباً ہزار سال دعوت دیتے رہے۔ سب جانتے ہیں کہ پچھلی شریعتوں میں ان احکامِ عبادات و معاملات کی تفصیل موجود نہ تھی جو ہمارے دین میں معروف ہیں، کیونکہ یہ دین تمام سابقہ شریعتوں اور ادیان کو ختم کرنے والا ہے، اس کے باوجود نوح (علیہ الصلاۃ والسلام) اپنی قوم میں پچاس کم ہزار سال رہے اور اپنا تمام تر وقت اور اہتمام اسی دعوتِ توحید پر صرف فرمایا، لیکن ان کی قوم نے ان کی دعوت سے اعراض برتا جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنی محکم کتاب میں بیان فرمایا:

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴾ (نوح: ٢٣)

(اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودات کو، اور نہ چھوڑنا ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو)

پس یہ دلائل اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ وہ داعیان کو جو "صحیح وبرحق اسلام" کی جانب دعوت دینا چاہتے ہیں ان کے نزدیک سب سے اہم چیز اور جس کی دعوت کا ہمیشہ اہتمام خاص کرنا چاہیے وہ دعوتِ توحید ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالی کے اس فرمان کا :

﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ (محمد : ١٩)

(جان لو' اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں)

اور یہی تھی سنت نبوی (ﷺ) عملاً وتعلیماً۔

جہاں تک ان کے فعل کا تعلق ہے تو اس کو زیادہ ڈھونڈنے یا ریسرچ کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی کریم (ﷺ) کے مکی دور میں آپ (ﷺ) کے افعال اور دعوت غالباً محصور تھی اپنی قوم کو اس بات کی دعوت دینے پر کہ ایک اللہ تعالی کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں۔

جہاں تک تعلیم کا معاملہ ہے تو انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کی حدیث میں ہے جو صحیح بخاری ومسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے جب معاذ (رضی اللہ عنہ) کو یمن روانہ فرمایا تو حکم ارشاد فرمایا: "ليكن أول ما تدعوهم إليه : شهادة أن لا إله إلا الله ، فإن هم أطاعوك لذلك ..... إلخ الحديث"[1] (سب سے پہلی چیز جس کی طرف تم انہیں دعوت دو وہ اس بات کی گواہی ہو کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں' اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو پھر۔۔۔آخر تک جو حدیث ہے)[2]' یہ حدیث لوگوں کو معلوم ہے اور بہت مشہور ہے ان شاء اللہ۔

چناچہ نبی اکرم (ﷺ) نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو اسی چیز سے ابتداء کرنے کا حکم فرمایا جس سے خود آپ (ﷺ) نے ابتداء فرمائی تھی اور وہ توحید کی جانب دعوت تھی۔ بلاشبہ وہ مشرکینِ عرب جو اس بات کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے تھے جو ان کی زبان میں کہا جاتا تھا' ان میں اور عرب مسلمانوں کی آجکل

---

[1] حديث صحيح : رواه البخاري (١٣٩٥) وفي غير موضع ، ومسلم (١٩) ، وأبو داود(١٥٨٤) ، والترمذي (٦٢٥) ، كلهم من حديث ابن عباس رضي الله عنه .

[2] حدیث میں آگے یہ بیان ہوا ہے کہ ''اگر وہ یہ شہادتین تسلیم کرلیں تو پھر انہیں خبر دینا پنج وقتہ نماز کی فرضیت کی، اگر وہ بھی مان لیں تو پھر خبر دینا زکوۃ کی فرضیت کے بارے میں...'' (مترجم)

ایک غالب اکثریت میں بہت بڑا فرق ہے جنہیں اس بات کی آج دعوت نہیں دینی پڑتی کہ وہ زبان سے "لا الہ الا اللہ" کہیں کیونکہ یہ سب تو پہلے ہی اپنے مذاہب، طریقوں اور عقائد کے اختلافات کے باوجود اس کے قائل ہیں۔ یہ سب کہتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ" لیکن درحقیقت یہ اس بات کے زیادہ ضرورت مند ہیں کہ وہ اس کلمۂ طیبہ کا فہم حاصل کریں۔ یہ ایک بالکل بنیادی فرق ہے ان اولین عرب میں جنہیں رسول اللہ (ﷺ) نے جب اس بات کی طرف دعوت دی کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہیں تو وہ تکبر کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں صریحا بیان ہوا[1]۔ وہ کیوں تکبر کرتے تھے؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کلمے کا معنی ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو برابر والا نہ بناؤ اور نہ ہی اس کے سوا کسی کی عبادت کرو، جبکہ وہ اس کے سوا اوروں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ پس وہ غیر اللہ کی نذر ونیاز، غیر اللہ سے توسل، غیر اللہ کے لئے ذبح اور اللہ تعالی کے حکم کے سوا دوسرے احکام پر چلتے یہاں تک کہ وہ غیر اللہ سے استغاثہ (فریاد) تک کرتے تھے۔

یہ وہ مشہور شرکیہ اور وثنیہ (بت پرستی، قبر پرستی) وغیرہ کے وسائل ہیں جن میں وہ مبتلا تھے، اس کے باوجود وہ اس کلمۂ طیبہ "لاالہ الااللہ" کے لوازم کو عربی لغت کے اعتبار سے جانتے تھے کہ ان تمام امور کو چھوڑنا پڑے گا، کیونکہ یہ "لاالہ الااللہ" کے معنی کے منافی امور ہیں۔

مسلمانوں کی غالب اکثریت آج "لاالہ الااللہ" کہ معنی کا صحیح فہم نہیں رکھتی

جبکہ آج کے مسلمان جو "لاالہ الااللہ" کی گواہی دیتے ہیں وہ اس کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کا مکمل طور پر برعکس معنی سمجھتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں: ان میں سے بعض نے "لاالہ الااللہ" کے معنی پر ایک رسالہ تالیف کیا[2] تو اس میں "لاالہ الااللہ" کا معنی "لارب الا اللہ!!" (اللہ تعالی کے سوا کوئی رب نہیں) کیا۔ یہ تو وہ معنی ہے جس پر مشرکین ایمان رکھتے تھے اور اسی پر وہ گامزن تھے، مگر ان کے اس ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

---

[1] اللہ تعالی کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: " إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ . وَيَقُولُونَ أَإِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ " (الصافات: ۳۵-۳۶) (ان مشرکوں سے جب یہ کہا جاتا تھا "لا الہ الا اللہ" (اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود برحق نہیں) تو وہ تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودات کو ایک شاعر ومجنون کے کہنے پر چھوڑ دیں گے)

[2] یہ شیخ محمد ہاشمی ہیں جو صوفی طریقۂ "شاذلیہ" کے ملک شام میں تقریباً پچاس سال سے شیخ یا پیر صاحب ہیں۔

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللهُ ﴾ (لقمان : ۲۵)

(اور (اے نبی (ﷺ)) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو وہ ضرور بالضرور کہیں گے کہ : اللہ (ہی ان کا خالق ہے))

پس مشرکین اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالی کی عبادت میں اس کے برابر والے اور شریک مقرر کرتے تھے۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ رب واحد ہے مگر معبودات بہت سے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالی نے اس عقیدہ کا رد فرمایا اور اپنے اس فرمان سے اسے اللہ تعالی کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا قرار دیا۔

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفَى....﴾ (الزمر : ۳)

(جنہوں نے اللہ تعالی کے سوا اور اولیاء بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اسی لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالی سے قربت اور نزدیکی دلا سکیں)

مشرکین یہ بات جانتے تھے کہ "لا الہ الا اللہ" کا اقرار اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ تعالی کے سوا ہر ایک کی عبادت کو چھوڑنا ہوگا۔ جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت اس کلمۂ طیبہ "لا الہ الا اللہ" (اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کی تفسیر "لارب الا اللہ!!" (اللہ تعالی کے سوا کوئی رب نہیں) کرتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان "لا الہ الا اللہ" کہے مگر وہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرے تو وہ عقیدۃً مشرک ہی ہے اگرچہ ظاہری اعتبار سے وہ مسلمان ہے؛ کیونکہ اس نے کلمے "لا الہ الا اللہ" کو زبان سے پڑھا ہے تو وہ اس زبانی اقرار کس سبب لفظی اعتبار سے ظاہراً مسلمان ہے۔ اسی وجہ سے ہم پر داعیان اسلام ہونے کے ناطے سے توحید کی جانب دعوت اور جو "لا الہ الا اللہ" کے معنی سے جاہل ہے اور اس کی عملی مخالف کرتا ہے اس پر حجت تمام کرنا واجب ہے۔ ان کا معاملے مشرکوں سے اس طور پر الگ ہے کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہنے سے ہی انکاری ہے تو وہ مسلمان نہیں نہ ظاہراً نہ باطناً جبکہ مسلمانوں کی آج یہ بہت کثیر تعداد (جن میں عقائد کا بگاڑ پایا جاتا ہے ظاہراً) مسلمان ہیں کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان ہے : " فإذا قالوها عصموا مني

دماءهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله تعالى "[1] (اگر وہ اس کلمے کو پڑھ لیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال محفوظ کرلیں گے سوائے اسلامی اعتبار سے ان کی جان ومال لینے کا کوئی حق بنتا ہو اور ان کے باقی اعمال کا حساب اللہ تعالی پر ہے)

اسی لئے میں ایک بات کرتا ہوں اور اس قسم کی بات شاذ ونادر ہی مجھ سے صادر ہوتی ہے کہ: کلمے کے غلط فہم کے اعتبار سے موجودہ دور کے بہت سے مسلمانوں کی حالت جاہلیت کے دور کے عام عربوں سے بھی گئی گزری ہے؛ کیونکہ مشرکین عرب اس کا فہم تو رکھتے تھے مگر اس پر ایمان نہ لاتے تھے' جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت وہ بات کہتے ہیں (یعنی لا الہ الا اللہ) جس کا وہ اعتقاد نہیں رکھتے۔ کہتے تو ہیں " لا الہ الا اللہ" مگر کماحقہ اس کے معنی پر ایمان نہیں رکھتے[2]۔ اسی وجہ سے میرا یہی اعتقاد ہے کہ جو حقیقی داعیان اسلام ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اس کلمے ہی کے گرد اپنی دعوت کو قائم کریں اور سب سے پہلے اس کے حقیقی معنی اختصار سے بیان کریں پھر اس کلمۂ طیبہ کے لوازم کا تفصیلی بیان کریں' کہ عبادات میں اس کی تمام تر صورتوں کے ساتھ اللہ تعالی کے لئے اخلاص ہو' کیونکہ اللہ تعالی نے جب مشرکین کا یہ قول ذکر فرمایا کہ:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفَى....﴾ (الزمر: ۳)

(جنہوں نے اللہ تعالی کے سوا اور اولیاء بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اسی لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالی سے قربت اور نزدیکی دلا سکیں)

تو اللہ تعالی نے ہر عبادت کو جو غیر اللہ کے لئے کی جائے کلمۂ طیبہ "لا الہ الا اللہ" سے کفر قرار دیا۔ اسی لئے میں آج یہ کہتا ہوں: مسلمانوں کا اجتماع بنانے اور انہیں جمع کرنے سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں اگر ہم انہیں گمراہی میں ہی پڑا رہنے دیں اور اس کلمۂ طیبہ کا صحیح فہم انہیں بیان نہ کریں۔ یہ (جمع کرنا) انہیں اس دنیا تک میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا چہ جائیکہ آخرت میں کوئی فائدہ پہنچا پائے! ہم نبی کریم (ﷺ) کا یہ فرمان جانتے ہیں: " من مات وهو يشهد أن لا إله إلا الله مخلصاً من قلبه حرم الله بدنه على النار " (جو فوت

[1] حديث صحيح : رواه البخاري (۲۵) وفي غير موضع ، ومسلم (۲۲) ، وغيرهم ، من حديث ابن عمر رضي الله عنهما

[2] قبروں کی عبادت، غیراللہ کے لئے ذبح، مردوں کو پکارنا جیسے شرکیہ اعمال جو ایک حیقیقت ہے اور ہمارے معاشروں میں موجود ہے جو اعتقاد رافضہ(شیعہ)، صوفی اور طریقت پر چلنے والے رکھتے ہیں۔ پس قبروں کا حج کرنا، شرکیہ مزارات وتعزیوں کا قیام اور ان کا طواف اور صالحین واولیاء سے فریادیں کرنا اور ان کی قسمیں کھانا جیسے عقائد ان کے یہاں ثابت شدہ ہیں۔

ہوا اس حال میں کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا تھا اپنے دل کے اخلاص کے ساتھ تو اللہ تعالی نے اس کے بدن کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیا ہے) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ " دخل الجنة "[1] (جنت میں داخل ہوگا)۔ پس جنت میں دخول کی ضمانت دینا ممکن ہے چاہے اس کے کہنے والے کو جہنم میں کسی بھی قسم کا عذاب ملنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ جو کوئی اس کلمے کا صحیح اعتقاد رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب سے دوچار ہو اپنے ان گناہوں کی پاداش میں جن کا وہ مرتکب ہوا۔ مگر اس کا آخری ٹھکانہ تو جنت ہی ہے۔ اس کے برعکس جس نے زبان سے تو اس کلمے کو ادا کیا مگر دل سے صحیح ایمان نہ رکھتا تھا تو اسے یہ آخرت میں کوئی بھی نفع نہ پہنچا سکے گا' ہاں البتہ دنیا میں کچھ فائدہ پہنچا دے جیسا کہ اگر مسلمانوں کی قوت وسلطنت ہو تو اس سے قتال یا اس کا قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن آخرت میں وہ اسے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا الا یہ کہ اس نے اولاً اس کے معنی سمجھ کر پڑھا ہو اور ثانیاً اس معنی کا اعتقاد بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ صرف فہم کا ہونا کافی نہیں جب تک کہ اس فہم کا اعتقاد بھی ساتھ نہ ہو۔ میرے خیال میں اکثر لوگ اس نقطے سے غافل ہیں! وہ یہ کہ : ایمان کا فہم ہونا کافی نہیں جب تک دونوں امور یکجا نہ ہوں تاکہ وہ مومن کہلائے۔ کیونکہ یہود ونصاری میں سے بہت سے اہل کتاب جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) سچے رسول ہیں اپنی رسالت اور نبوت کے دعوے میں صادق ہیں' لیکن اس معرفت کے ہوتے ہوئے کہ جس کی گواہی ہمارے رب تعالی نے قرآن کریم میں فرمائی :

﴿...يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ.... ﴾ (البقرة : ١٤٦)

(وہ اس (نبی محمد (ﷺ)) کو ایسے ہی جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کا جانتے ہیں)

اس کے باوجود اس معرفت نے انہیں اللہ تعالی کے یہاں کوئی فائدہ نہ پہنچایا' کیوں؟ کیونکہ انہوں نے آپ (ﷺ) کی اس رسالت ونبوت کی تصدیق نہ کی جس کا آپ (ﷺ) دعوی فرماتے تھے۔ اسی لئے معرفت ایمان سے پہلے ہے مگر اکیلی معرفت کافی نہیں' بلکہ معرفت کے ساتھ ساتھ ایمان وتسلیم لازم ہے' کیونکہ مولی کریم (عزوجل) کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے :

﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ...... ﴾ (محمد : ١٩)

---

[1] حديث صحيح : رواه أحمد (٢٣٦/٥)، وابن حبان (٣)زوائد ، وصححه الألباني في الصحيحة(٣٣٥٥) .

(جان لو اور اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو)

اس بناء پر جب ایک مسلمان اپنی زبان سے "لاالہ الا اللہ" کہتا ہے؛ تو اسے چاہیے کہ اس اقرار کے ساتھ اس کلمے کی مختصر پھر تفصیلی معرفت کو بھی شامل کرے۔ جب وہ اسے جان جاتا ہے اور اس کی تصدیق کرکے اس پر ایمان لے آتا ہے تو ایسے شخص پر ہی وہ احادیث صادق آتی ہیں جو ہم نے ابھی بیان کی۔ جن میں سے رسول اللہ (ﷺ) کا یہ فرمان بھی ہے کہ جو میری بیان کردہ بات کی کسی قدر تفصیل کرتا ہے: "من قال: لا إله إلا الله، نفعته يوماً من دهره"[1] (جس نے لاالہ الا اللہ کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ پہنچائے گا) یعنی یہ کلمۂ طیبہ اس کی معنی کی معرفت حاصل کرلینے کے بعد جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات کا سبب ہے۔ اسے میں اسے لئے دوہراتا ہوں تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔ (یہ کلمہ نجات کا سبب بنے گا) اگراس کا قائل جس بات کا یہ کلمہ متقاضی ہے انہیں بروئے کار لایا اور جو شرائطِ ایمان اس سے لازم آتی ہیں اعمال قلبیہ ہوں یا ظاہری اعمال کے انہیں بجالایا[2]، اگرچہ اس کا قائل اس کے کمال کے تقاضوں جیسے عملِ صالح اور برائیوں سے اجتناب پر کاربند نہ بھی ہوسکا ہو لیکن شرکِ اکبر سے محفوظ رہا، تو وہ اللہ تعالی کی مشئیت کے تحت ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے ارتکاب یا بعض واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے سبب جہنم میں داخل ہو، پھر اسے یہ کلمۂ طیبہ نجات دلائے یا اللہ تعالی اس سے اپنے فضل وکرم سے درگزر فرمادے[3]۔ یہ معنی ہے نبی اکرم (ﷺ) کی اس حدیث کا جس کا ذکر پہلے گزر چکا: "من قال: لا إله إلا الله، نفعته يوماً من دهره" (جس نے لا الہ الا اللہ کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ پہنچائے گا)، البتہ جو محض زبان سے اسے ادا کرے مگر اس کا معنی نہ سمجھتا ہو، یا پھر معنی تو سمجھتا ہو مگر اس معنی پر ایمان نہ رکھتا ہو؛ تو ایسے کو اس کا "لا الہ الا اللہ" کہنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس نزدیک کی دنیاوی زندگی میں اگر وہ حکومت اسلامی کے تحت جی رہا ہے تو اسے یہ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن بعد میں آنے والی ہمیشہ کی زندگی میں تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

---

[1] حديث صحيح : صححه لألباني في السلسلة الصحيحة (١٩٣٢)وعزاه لأبي سعيد الأعرابي في معجمه وأبي نعيم في الحلية (٣٦/٥)، والطبراني في الأوسط (٦٥٣٣)، وهو من حديث أبي هريرة رضي الله عنه

[2] جیسا کہ بعض علماء کرام کا اجتہاد ہے جس کی کچھ تفصیل ہے جس کا یہ موقع محل نہیں

[3] یہی وہ عقیدۂ سلف صالحین ہے جو حدفاضل ہے ہمارے اور خوارج ومرجئہ کے درمیان۔

اسی لئے ضروری ہے کہ توحید کی جانب دعوت پر توجہ کو مرکوز رکھا جائے خواہ مسلمانوں کا کوئی بھی مجتمع یا گروہ ہو جو حقیقتاً اور جلد از جلد یہ چاہتا ہے جیسا کہ تمام جماعتیں یا اکثر جماعتیں دعوی کرتی ہیں کہ ایسی سرزمین پر جہاں اللہ تعالی کا شرعی نظام قائم نہیں وہاں ایسے اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کا قیام جہاں اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے ہوں۔ یہ جماعتیں یا یہ تنظیمیں ممکن نہیں کہ اس غایت کو پاسکیں جسے حاصل کرنے کے لئے یہ سب جمع ہیں اور اسے جلد از جلد حقیقت کا روپ دینے کے لئے کوشاں ہیں الا یہ کہ وہ اس چیز سے ابتداء کریں کہ جس سے رسول اللہ (ﷺ) نے ابتداء فرمائی تھی۔

عقیدے کا اہتمام کرنے کے وجوب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ باقی شرعی عبادات' سلوک' معاملات اور اخلاق سے لاپرواہی برتی جائے

میں اس بات پر دوبارہ تنبیہ کروں گا کہ میرا یہ کہنا کہ : "سب سے اہم ترین چیز سے شروع کیا جائے پھر جو اس کے بعد اہم ہو پھر جو اس سے کم تر" سے مراد یہ نہیں کہ داعیان اپنی دعوت کو محض اس کلمۂ طیبہ اور اس کے معنی کے فہم تک محصور کردیں' جبکہ اللہ تعالی نے تو اس نعمت کو اپنا دین مکمل کر کے تمام کردیا ہے! بلکہ ان داعیان کو چاہیے کہ اسلام کو بطور ایک ایسی اکائی کے لیں جو ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتی۔ میرے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقتاً جو داعیانِ اسلام ہیں انہیں چاہیے کہ اس چیز کا اہتمام خاص کریں جو سب سے اہم ترین چیز اسلام لے کر آیا ہے یعنی مسلمانوں کو صحیح عقیدے کا فہم دینا جو کلمۂ طیبہ "لاالہ الا اللہ" سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اس خلاصے کے بعد میں آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہوں گا کہ ایک مسلمان "لاالہ الا اللہ" کا معنی فقط یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی حقیقی معبود موجود نہیں بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ان عبادات کو سمجھیں جن کے ذریعہ ہم اپنے رب کی عبادت کرسکیں' اور اللہ تعالی کے بندوں میں سے کسی بندے کے لئے ان عبادتوں کو ادا نہ کریں۔ لازم ہے کہ اس تفصیل کا بیان بھی کلمۂ طیبہ کے اس مختصر معنی کے ساتھ منسلک ہو۔ بہتر ہو گا کہ اس بارے میں جس قدر مناسب ہو میں ایک یا اس سے زیادہ مثالیں بیان کروں گا' کیونکہ اجمالی بیان کافی نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں: بلاشبہ بہت سے مسلمان جو حقیقی موحدین ہیں اور عبادتوں میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لئے ادا تو نہیں کرتے لیکن ان کا ذہن بھی خالی ہوتا ہے بہت سے ایسے صحیح افکار و عقائد سے جن کا ذکر کتاب و سنت میں موجود ہے۔ پس ان موحدین میں سے بہت سے کئی آیات قرآنی اور بعض احادیث مبارکہ پر سے گزر جاتے ہیں جو کسی عقیدے پر مشتمل ہوتی ہیں مگر وہ اس عقیدے سے غیر متنبہ ہوئے اس پر سے گزر جاتے ہیں' حالانکہ یہ اللہ تعالی پر ایمان کے اتمام میں سے ہے۔آپ لے لیں مثلاً یہ عقیدہ کہ اللہ تعالی کی اپنی مخلوق پر علو و بلندی پر ایمان لانا۔ میں یہ بات تجربہ سے جانتا ہوں کہ ہمارے بہت سے موحدین سلفی بھائی ہمارے ساتھ یہ کہتے کہ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے اور بنا تاویل و تکییف کے اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پاس موجودہ دور کے معتزلی یا موجودہ دور کے جہمی' یا ماتریدی یا اشعری آکر اس آیت کے ظاہر کو بنیاد بنا کر کوئی شبہ ان کے دلوں میں ڈالتے ہیں جس کا معنی نہ خود وسوسہ گر جانتا ہے اور نہ ہی وسوسے کا شکار' تو وہ اپنے عقیدے کے بارے میں حیران و پریشان ہو جاتا ہے' اور اس سے بہت دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے' کیوں؟ کیونکہ اس نے صحیح عقیدے کو جس کا بیان و وضاحت ہمارے رب کی کتاب اور ہمارے نبی محمد (ﷺ) کی حدیث میں پیش کیا گیا ہے تمام جوانب سے اچھی طرح حاصل نہیں کیا۔ پس جب موجودہ دور کا کوئی معتزلی یہ کہتا ہے: اللہ تعالی تو یہ فرماتے ہیں: ﴿ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ .... ﴾ (الملک: ۱۵-۱۶) (کیا تم اس ذات سے بے خوف ہوگئے ہو جو آسمان پر ہے) اور تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالی آسمان میں ہے' اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم نے اپنے معبود کو ایک مکان و جہت یعنی آسمان جو اسی کی مخلوق ہے میں متعین کر دیا!! چنانچہ وہ یہ شبہہ اپنے مخاطب کے دل میں ڈالتا ہے۔

بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں صحیح عقیدے اور اس کے لوازم کا واضح نہ ہونا

اس مثال سے میری مراد یہ بیان کرنا تھا کہ افسوس کی بات ہے عقیدۂ توحید اپنے تمام تر لوازم اور مطالبات کے ساتھ بہت سے ان لوگوں تک کے ذہنوں میں واضح نہیں جو خود سلفی عقیدے پر ایمان لائے ہیں' ان لوگوں کی تو دور کی بات رہی جو اس قسم کے مسائل میں اشاعرہ' ماتریدیہ اور جہمیہ کے عقائد کی پیروی کرتے ہیں۔ میں نے یہ مثال اس لئے پیش کی کیونکہ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں جیسا کہ آج کچھ داعیان جو قرآن

وسنت کی جانب دعوت میں ہمارے ہمنوا ہیں تصور کرتے ہیں' یہ معاملہ اس لئے اتنا سہل نہیں جیسا کہ ان میں سے بعض دعوی کرتے ہیں کیونکہ اس کا سبب وہی فرق ہے جو پہلے بیان ہوا اولین جاہلیت کے مشرکین (جنہیں جب دعوت دی جاتی کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہیں تو وہ انکار کرتے' کیونکہ وہ اس کلمۂ طیبہ کا معنی جانتے تھے) اور موجودہ دور کے اکثر مسلمانوں میں کہ جب یہ کلمہ پڑھتے ہیں تو اس کا صحیح معنی نہیں جانتے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اللہ تعالی کی اپنی مخلوقات پر بلندی کے عقیدے کے بارے میں بھی اب پایا جاتا ہے' یہ بھی وضاحت کا متقاضی ہے اور یہی کافی نہیں کہ ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھے: ﴿ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ﴾ (طہ: ۵) (وہ رحمٰن ہے جو عرش پر مستوی ہوا)۔ "ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء"[1] (جو زمین میں ہیں ان پر مہربانی کرو جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم فرمائے گا) بنا یہ جانے کہ کلمہ "فی" (میں) جو اس حدیث میں بیان ہوا ظرفیہ نہیں' اس کی مثال اس "فی" کی سی ہے جو اللہ تعالی کے اس فرمان میں وارد ہوا﴿ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ .... ﴾ (الملک: ۱۵-۱۶) (کیا تم اس ذات سے بے خوف ہوگئے ہو جو آسمان پر ہے)؛ کیونکہ "فی" یہاں بمعنی "علی" (پر/کے اوپر) ہے' اور اس کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔ جن میں سے سابقہ حدیث جو لوگوں کی زبان زد عام ہے اور یہ اپنے مجموعی طرق کے اعتبار سے الحمدللہ صحیح حدیث ہے' نبی اکرم (ﷺ) کے اس قول: "ارحموا من فی الأرض" (جو زمین میں ہیں ان پر رحم کرو) سے حشرات الارض یا کیچوے مراد نہیں جو زمین کے اندر ہوتے ہیں! بلکہ اس سے مراد جو "علی الارض" زمین پر انسان وحیوان ہیں' اور یہ رسول اللہ (ﷺ) کے اس قول کے مطابق ہے: "...یرحمکم من فی السماء" (جو آسمان میں (پر) ہے) یعنی: "علی السماء" (آسمان پر ہے)' چناچہ دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے لئے اس قسم کی تفصیل جاننا ضروری ہے تاکہ وہ مکمل طور پر دلیل پر قائم ہوں۔ سمجھنے میں اور زیادہ قریب اس لونڈی کے متعلق مشہور ومعروف حدیث ہے جو بکریاں چرایا کرتی تھی' میں صرف اس حدیث میں سے شاہد بیان کروں گا؛ جب رسول اللہ (ﷺ) نے اس سے دریافت فرمایا: "أين الله ؟" (اللہ تعالی کہاں ہے؟) تو اس نے جواب دیا: "فی السماء"[2] (آسمان میں یعنی پر ہے)۔ اگر آج آپ جامعہ

---

[1] حديث صحيح : رواه أبو داود (٣٩٣١)، والترمذي(١٩٢٥) ، وصححه الألباني في الصحيحه (٩٢٥) .

[2] حديث صحيح : رواه مسلم (٥٣٧) ، وأبو داود (٩٣٠) ،والنسائي (١٣/١-١٨)، من حديث معاوية بن الحكم السلمي رضي الله عنه .

ازہر کے بڑے مشائخ سے پوچھیں مثلاً اللہ تعالی کہاں ہے؟تو وہ آپ کو جواب دیں گے : ہر جگہ**!** جبکہ اس لونڈی تک نے یہ جواب دیا تھا کہ اللہ تعالی آسمان پر ہے 'اور نبی کریم (ﷺ) نے اس کی تصدیق فرمائی تھی' کیوں؟ کیونکہ اس نے فطرت کے مطابق جواب دیا۔ وہ ایسے ماحول میں رہتی تھی جسے ممکن ہے کہ ہم اپنی آجکل کی تعبیر کے مطابق "سلفی ماحول" کہہ سکتے ہیں 'جس میں عام تعبیر کے مطابق کوئی براماحول اثر انداز نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ وہ جیسا کہ آجکل کہا جاتا ہے مدرسۂ رسول (ﷺ) سے فارغ شدہ تھی۔ یہ مدرسہ بعض مردوں اور عورتوں کے لئے خاص نہیں تھا بلکہ یہ تمام لوگوں میں عام تھا جو مردوں اور عورتوں کو متضمن تھا اور اپنے تکمیل پر پورے معاشرے کے لئے عام ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بکریاں چرانے والی لونڈی یہ جانتی تھی کیونکہ کسی خراب ماحول کا اس پر اثر نہ ہوا تھا؛ وہ کتاب وسنت میں موجود اس صحیح عقیدے کو جانتی تھی جو آج بہت سے کتاب وسنت کے علم کے دعویداروں کو نہیں معلوم۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ ان کا رب کہاں ہے**!** حالانکہ یہ کتاب وسنت میں مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج اس بیان اور وضاحت میں سے کوئی چیز مسلمانوں کے درمیان موجود نہیں اگرآپ آج بکریوں کی نگہبانی کرنے والی سے نہیں بلکہ امت اور جماعتوں کی نگہبانی کرنے والوں سے پوچھیں؛ تو وہ اس کا جواب دینے کے بارے میں حیران وپریشان ہوں گے جیسا کہ آج بہت سے لوگ اس کا جواب دینے میں حیران وپریشان ہوتے ہیں سوائے جس پر اللہ تعالی رحم فرمائے**!!!**

صحیح عقیدے کی جانب دعوت عظیم جہد مسلسل کی متقاضی ہے

لہٰذا توحید کی جانب دعوت اور اسے لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنا ہم سے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم آیات پر سے بنا تفصیل سے نہ گزر جائیں جیسا کہ عہد اول میں تھا؛ کیونکہ اولاً تو وہ عربی عبارات کو بآسانی سمجھ لیتے تھے اور ثانیاً وہ اس چیز پر قائم تھے جو صحیح عقیدے کے ہرگز مخالف نہ تھی کیونکہ ان کے یہاں عقیدے کا وہ انحراف وٹیڑھ پن نہ تھا جو فلسفہ اور علم الکام کی پیداوار ہے۔پس ہماری موجودہ صورتحال بالکل مختلف ہےاس سے جو اول دور کے مسلمانوں کی تھی۔ اسی لئے ہم اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ آج صحیح عقیدے کی جانب دعوت دینا اتنا آسان ہے جیسا کہ عہد اول میں تھا' اس پر مزید روشنی میں ایسی مثال کے ذریعہ ڈالتا ہوں جس کے بارے میں کوئی دورائے نہ ہو گی 'ان شاء اللہ :

ان کے دور میں جو آسانی معروف تھی وہ یہ کہ ایک صحابی رسول اللہ (ﷺ) سے براہ راست ایک حدیث سنتا پھر ایک تابعی وہ حدیث ایک صحابی سے براہ راست سنتا۔۔۔ اور اسی طرح ہم ان تین زمانوں یانسلوں تک چلتے ہیں جن کے راہ راست پر ہونے کی گواہی دی گئی ہے' اور ہم پوچھتے ہیں : کیاان کے یہاں کوئی چیز علم حدیث کے نام سے تھی؟ جواب : نہیں' کیاان کے یہاں کوئی چیز جرح وتعدیل کے نام سے موجود تھی؟ جواب : نہیں' جبکہ آج یہ دونوں علوم ایک طالبعلم کے لئے لازم ہیں' اور یہ فرض کفایہ میں سے ہے' اور یہ اس لئے کہ آج ایک عالم حدیث کی معرفت حاصل کرسکے کہ آیا صحیح ہے یا ضعیف' پس یہ کام اتنا آسان وسہل شمار نہیں جاسکتا جیسا کہ ایک صحابی کے لئے تھا۔ کیونکہ ایک صحابی حدیث کو دوسرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے حاصل کیا کرتا تھا جن کا تزکیہ اللہ تعالی کی ان کے بارے میں گواہی تھی' جو ان دنوں میں آسان تھا وہ آج آسان نہیں کیونکہ ان کے یہاں صاف ستھرا علم تھا اور علم حاصل کرنے کے مصادر ثقہ تھے۔ اسی لئے اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرنا اسی طرح ضروری ہے جیسا کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے آج ہمیں بہت سے ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کا سامنا اولین مسلمانوں کو نہیں کرنا پڑا تھا کیونکہ ہمارے یہاں مختلف ناموں کے تحت صحیح عقیدے اور منہجِ حق سے منحرف اہل بدعت کے اشکالات اور شبہات کے سبب عقیدے کا بہت بگاڑ موجود ہے۔ ان مختلف ناموں یا دعوتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ہم صرف کتاب وسنت کی طرف دعوت دیتے ہیں! جیسا کہ علم الکلام کی جانب منسوب لوگ یہ زعم رکھتے اور دعوی کرتے ہیں۔

ہمارے لئے یہاں بہتر رہے گا کہ ہم اس بارے میں آئی کچھ صحیح احادیث ذکر کریں' جن میں سے یہ ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے جب ان احادیث میں سے بعض میں غرباء (معاشرے میں اجنبی لوگوں) کا ذکر فرمایا' تو یہ فرمایا : "للواحد منهم خمسون من الأجر" ، قالوا : منا يا رسول الله أو منهم؟ قال : " منكم "[1] (ان میں کے ایک شخص کا ثواب پچاس کے ثواب کے برابر ہوگا)' صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول (ﷺ) پچاس ان میں سے یا ہم میں سے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا : "تم میں سے")

[1] حديث صحيح : رواه الطبراني في الكبير (٢٥٥/١٠) رقم (١٠٣٩٣) ، من حديث ابن مسعود رضي الله عنه .وله شاهد من حديث عقبة بن غزوان الصحابي رضي الله عنه رواه البزار كما في الزوائد (٢٨٢/٧)وله شاهد آخر من حديث أبي ثعلبة الخشني رضي الله عنه رواه أبو داود (٤٣٤١) ، وصححه الألباني في الصحيحة (٤٩٤) .

لہٰذا یہ نتیجہ ہے آج اسلام میں اس شدید غربت (اجنبیت) کا جو دور اول میں نہ تھی' بلاشبہ دور اول میں اجنبیت صریح شرک اور ہر شبہہ سے خالی خالص توحید کے درمیان تھی، کھلم کھلا کفر اور ایمان صادق کے درمیان تھی' جبکہ آج خود مسلمانوں کے اندر ہی مشکلات پائی جاتی ہیں کہ ان میں سے اکثر کی توحید ہی ملاوٹوں سے اٹی ہوئی ہے' یہ اپنی عبادات غیر اللہ کے لئے ادا کرتے ہیں پھر بھی دعوی ایمان کا ہے۔ اولاً اس مسئلے پر متنبہ ہونا ضروری ہے' ثانیاً یہ جائز نہیں کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اب توحید کے مرحلے سے آگے نکل کر دوسرے مرحلے میں منتقل ہو جائیں یعنی سیاسی عمل کا مرحلہ!! کیونکہ اسلام کی دعوت سب سے پہلے دعوت حق ہے' جائز نہیں کہ ہم یہ کہیں ہم عرب ہیں اور قرآن مجید ہماری زبان میں نازل ہوا ہے' حالانکہ یاد رکھیں کہ آج کے عربوں کا معاملہ عربی زبان سے دوری کے سبب ان عجمیوں سے بالکل برعکس ہو گیا ہے جو عربی سیکھتے ہیں' پس اس بات نے انہیں ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی (ﷺ) کی سنت سے دور کر دیا۔ بالفرض ہم عربوں نے صحیح طور پر اسلام کا فہم حاصل اگر کر بھی لیا ہے تب بھی ہم پر واجب نہیں کہ ہم سیاسی عمل میں حصہ لینا شروع کر دیں' اور لوگوں کو سیاسی تحریکوں سے وابستہ کریں' اور انہیں جس چیز میں مشغول ہونا چاہیے یعنی اسلام کے عقیدے' عبادت' معاملات اور سلوک کا فہم حاصل کرنا سے ہٹا کر سیاست میں مشغول رکھیں۔ مجھے نہیں یقین کے کہیں ایسے لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہوں جنہوں نے اسلام کا صحیح فہم یعنی عقیدے' عبادت اور سلوک میں حاصل کیا ہو اور اسی پر تربیت پائی ہو۔

تبدیلی یا انقلاب کی بنیاد منہج تصفیہ و تربیہ

اسی وجہ سے ہم ہمیشہ یہ کہتے چلے آئے ہیں اور انہی دو اساسی نقطوں پر جو تبدیلی و انقلاب کا قاعدہ ہیں پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں' اور وہ دو نقاط تصفیہ (دین کو غلط باتوں سے پاک کرنا) اور تربیہ (اس پاک شدہ دین پر لوگوں کی تربیت کرنا) ہیں۔ ان دونوں امور کو یکجا کرنا ضروری ہے تصفیہ اور تربیہ' کیونکہ اگر کسی ملک میں کسی طرح کا تصفیہ کا عمل ہوا جو کہ عقیدے میں ہے تو یہ اپنی حد تک واقعی ایک بہت بڑا اور عظیم کارنامہ ہے جو اتنے بڑے اسلامی معاشرے کے ایک حصہ میں رونما ہوا' لیکن جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو اسے بھی مذہبی تنگ نظری سے پاک کر کے سنت صحیحہ کی جانب رجوع کا عمل ہونا چاہیے۔ ایسے بڑے جید علماء

کرام ہو سکتا ہے موجود ہوں جو اسلام کا ہر زاویے سے صحیح فہم رکھتے ہوں مگر میں یہ یقین نہیں رکھتا کہ ایک فرد یا دو، تین یا دس بیس افراد اس تصفیے کے واجب کو ادا کر پائیں۔ تصفیہ کرنا (پاک کرنا) اسلام کو ہر اس چیز سے جو اس میں در آئی ہے خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عبادت وسلوک میں۔ محض کچھ افراد کی یہ استطاعت نہیں کہ وہ اسلام سے جڑی ہر غلط چیز کا تصفیہ کر کے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی اس پر صحیح وسلیم تربیت کر کے سرفراز ہو سکیں۔ اسی لئے تصفیہ وتربیہ کا عمل آج مفقود ہے۔

اسی لئے ان دو اہم باتوں ونقاط کو متحقق کرنے سے پہلے کسی بھی اسلامی معاشرے میں جہاں شریعت کا نفاذ نہ ہو وہاں کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا برے اثرات مرتب کرنے کا پیش خیمہ ہو گا۔ ہاں! نصیحت وخیر خواہی کرنا سیاسی تحریک کی جگہ لے سکتا ہے کسی بھی ایسے ملک میں جہاں شریعت کی تحکیم ہو (خفیہ) مشورہ دینے کے ذریعہ یا پھر الزامی وتشہیری زبان استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہوئے شرعی ضوابط کے تحت بطور احسن ظاہر کرنے کے ذریعہ، پس حق بات کو پہنچا دینا حجت کو تمام کرتا ہے اور پہنچا دینے والے کو بریٔ الذمہ کرتا ہے۔

نصیحت وخیر خواہی میں سے یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو اس چیز میں مشغول کریں جو انہیں فائدہ پہنچائے جیسے عقائد، عبادت، سلوک اور معاملات کی تصحیح، ہو سکتا ہے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہوں کہ ہم تصفیہ وتربیہ کو تمام کے تمام اسلامی معاشروں میں نافذ ہو جانے کی امید رکھتے ہیں! ہم تو یہ بات نہ سوچتے ہیں اور نہ ہی ایسی خام خیالی میں مبتلا ہیں، کیونکہ ایسا ہو جانا تو محال ہے؛ اس لئے بھی کہ اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴾ (ھود: ۱۱۸)

(اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر یہ لوگ ہمیشہ اختلافات میں ہی رہیں گے)

البتہ ان لوگوں پر ہمارے رب تعالی کا یہ فرمان لاگو نہیں ہو گا اگر یہ اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں اور اس صحیح اسلام پر خود اپنی، اپنے اہل وعیال اور گرد ونواح کے لوگوں کی تربیت کریں۔

سیاسی عمل میں کون حصہ لے؟ اور کب؟

آجکل سیاسی عمل یا سرگرمی میں حصہ لینا ایک مشغلہ بن گیا ہے! حالانکہ ہم اس کے منکر نہیں مگر ہم بیک وقت ایک شرعی و منطقی تسلسل پہ ایمان رکھتے ہیں کہ ہم تصحیح وتربیت کے اعتبار سے عقیدے سے شروع کریں، پھر عبادت پھر سلوک پھر اس کے بعد ایک دن آئے گا جب ہم سیاسی مرحلے میں داخل ہوں گے مگر اس کے شرعی مفہوم کے مطابق۔ کیونکہ سیاست کا معنی ہے : امت کے معاملات کا انتظام کرنا انہیں چلانا، پس امت کے معاملات کون چلاتا ہے؟ نہ زید، نہ بکر، نہ عمرو، اور نہ ہی وہ جو کسی پارٹی کی بنیاد رکھے یا کسی تحریک کی سربراہی کرتا ہو یا کسی جماعت کو چلاتا ہو!! یہ معاملہ تو خاص ولی امر (حکمران) سے تعلق رکھتا ہے، جس کی مسلمانوں نے بیعت کی ہے۔ یہی ہے وہ جس پر واجب ہے کہ وہ موجودہ سیاسی حالات اور ان سے نمٹنے کی معرفت حاصل کرے، لیکن اگر مسلمان متحد نہ ہوں جیسا کہ ہماری موجودہ حالت ہے تو ہر حاکم اپنی سلطنت کی حدود میں ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آپ کو ان امور میں مشغول رکھیں جن کے بارے میں بالفرض ہم مان بھی لیں کہ ہمیں اس کی کماحقہ معرفت حاصل ہوگئی ہے تب بھی ہمیں یہ معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ ہمارے لئے اسے نافذ کرنے کا امکان ہی نہیں، کیونکہ ہم امت کے امور چلانے کے بارے میں فیصلوں کا اختیار ہی نہیں رکھتے۔ تو محض یہ معرفت بیکار ہے جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ میں آپ کو ایک مثال بیان کرتا ہوں وہ جنگیں جو مسلمانوں کے خلاف بہت سے اسلامی ممالک میں بپا ہیں، کیا اس بات کا کوئی فائدہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے جذبات ابھاریں اور انہیں اس جانب برانگیختہ کریں جبکہ ہم اس جہاد کا کوئی اختیار ہی نہیں رکھتے جس کا انتظام ایک ایسے مسئول امام کے ذمہ ہے جس کی بعیت ہو چکی ہو؟! اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ واجب نہیں! لیکن ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ : یہ کام اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہے۔ اسی لئے ہم پر واجب ہے کہ ہم آپ کو اور دوسروں کو جنہیں ہم اپنی دعوت پہنچا رہے ہیں اس بات میں مشغول رکھیں کہ وہ صحیح اسلام کا فہم حاصل کرکے اس پر صحیح تربیت حاصل کریں۔ لیکن اگر ہم محض انہیں جذباتی اور ولولہ انگیز باتوں میں مشغول رکھیں گے تو یہ انہیں اس بات سے پھیر دیں گی کہ وہ اس دعوت کے فہم میں مضبوطی حاصل کرپائے جو ہر مکلّف مسلمان پر واجب ہے۔ جیسے عقائد، عبادت اور سلوک کی تصحیح یہ ان فرائض عینیہ میں سے ہے جس میں تقصیر کا عذر قابل قبول نہیں، جبکہ جو دوسرے امور ہیں ان میں سے تو بعض

فرض کفایہ ہیں جیسا کہ آجکل جو کہا جاتا ہے "فقہ الواقع" (حالات حاضرہ کا علم) اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا جو کہ ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اہل حل وعقد ہیں، جن کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ اس معرفت سے وہ عملی استفادہ حاصل کر پائیں۔ جہاں تک معاملہ ہے ان لوگوں کا جن کے ہاتھ میں نہ حل ہے نہ ہی عقد اور وہ لوگوں کو ان باتوں میں مشغول کر رہے ہیں جو اہم تو ہیں مگر اہم ترین نہیں، تو یہ بات انہیں صحیح معرفت سے دور لے جاتی ہے! یہ بات تو ہم آج بہت سے اسلامی گروپوں اور جماعتوں کے مناہج میں باقاعدہ ہاتھوں سے چھو کر محسوس کر سکتے ہیں، کہ ہم جانتے ہیں کہ بعض ایسے داعیان جو نوجوانوں کو جو ان کے گرد اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ وہ انہیں صحیح عقیدہ، عبادت اور سلوک کی تعلیم دیں اور سمجھائیں تو وہ انہیں اس سے پھیر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ داعیان سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور ان پارلیمنٹوں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتی ہے! پس وہ انہیں اس اہم ترین چیز سے پھیر دیتے ہیں اس چیز کی طرف جو ان موجودہ حالات میں اہم نہیں ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو سوال میں پوچھی گئی تھی کہ کیسے ایک مسلمان ان پر الم حالات میں اپنا کردار ادا کر کے بریٔ الذمہ ہو سکتا ہے؛ تو ہم کہتے ہیں: ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق کام کرے، ان میں سے ایک عالم کی جو ذمہ داری ہے وہ غیر عالم کی نہیں، جیسا کہ میں اس قسم کی مناسبت میں بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اپنی نعمت اپنی کتاب کے ذریعہ مکمل فرمادی ہے اور اسے مسلمانوں کے لئے ایک دستور بنادیا ہے۔ اسی دستور میں سے اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی ہے کہ:

﴿...فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (الانبیاء: ۷)

(اہل ذکر (علماء کرام) سے سوال کر و اگر تمہیں علم نہ ہو)

اللہ تعالی نے اسلامی معاشرے کو دو اقسام میں تقسیم فرمایا ایک عالم اور دوسرے غیر عالم، اور ان میں سے ہر ایک پر وہ واجب قرار دیا جو دوسرے پر واجب نہیں، پس جو علماء نہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اہل علم سے دریافت کریں، اور علماء کرام پر یہ واجب ہے کہ وہ جس چیز کی بابت دریافت کیا جارہا ہے اس کا جواب دیں، اسی طریقہ پر شخصیات مختلف ہونے پر واجبات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ چناچہ آج کے اس دور میں ایک عالم پر واجب ہے کہ وہ بقدر استطاعت حق بات کی جانب دعوت دے، اور جو عالم نہیں ہے اسے چاہیے کہ جو بات

اس سے یا اس کے زیر کفالت لوگوں جیسے بیوی بچے وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے اس کا سوال علماء کرام سے کرے۔ اگر مسلمانوں کے یہ دونوں فریق اپنی استطاعت بھر ذمہ داری نبھاتے رہیں تو یقیناً نجات پاجائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالی کافرمان ہے :

﴿ لَا یُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة: ٢٨٦)

(اللہ تعالی کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں کرتا)

ہم صد افسوس مسلمانوں کے ایک ایسے پر الم دور سے گزر رہے ہیں جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، یہ کہ کفار چاروں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک صحیح ومعروف حدیث میں اس کی خبر دی کہ : "تداعى عليكم الأمم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها"، قالوا : أمن قلة نحن يومئذ يا رسول الله ؟ قال : "لا ، أنتم يومئذ كثير ، ولكنكم غثاء كغثاء السيل ، ولينزعن الله الرهبة من صدور عدوكم لكم ، وليقذفن في قلوبكم الوهن"، قالوا: وما الوهن يا رسول الله ؟ قال : "حب الدنيا وكراهية الموت"[1] (تم پر چاروں طرف سے قومیں ٹوٹ پڑیں گی جیسا کہ کھانے والے ایک دوسرے کو پلیٹ کی طرف دعوت دیتے ہیں"، صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی : یارسول اللہ (ﷺ)! کیا اس زمانے میں ہماری قلّتِ تعداد کی بنا پر وہ ایسا کریں گی؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا : "نہیں، تم اس زمانے میں بہت کثیر تعداد میں ہوگے، لیکن تمہاری حیثیت سیلابی ریلے میں بہہ جانے والے خس وخشاک کی سی ہوگی، اللہ تعالی تمہارا رعب وہیبت کافروں کے دلوں سے نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں "وہن" ڈال دے گا"، انہوں نے دریافت کیا : یارسول اللہ (ﷺ)! یہ "وہن" کیا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا : "دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت")۔

پس علماء کرام پر جو واجب ہے وہ تصفیہ وتربیہ کا جہاد کریں، وہ اس طرح کے مسلمانوں کو صحیح توحید، صحیح عقائد، عبادت اور سلوک کی تعلیم دیں۔ ہر کوئی اپنی طاقت بھر اپنے اس ملک میں جس میں وہ رہتا ہے۔ کیونکہ اپنی اس موجودہ حالت میں کہ وہ متفرق ہیں، نہ ہمیں کوئی ایک ملک جمع کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک

---

[1] حديث صحيح : رواه أبو داود (٤٢٩٧) ، وأحمد (٢٧٨/٥) ، من حديث ثوبان رضي الله عنه ، وصححه بطريقيه الألباني في الصحيحة (٩٥٨) .

صف ' اس حالت میں ہم یہودیوں کے خلاف جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان دشمنوں کے خلاف جو چاروں طرف سے ہم پر یلغار کر رہے ہیں اس قسم کے جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے ' لیکن ان پر واجب ہے کہ ہر اس قسم کا شرعی وسیلہ اختیار کریں جو ان کے بس میں ہو ' کیونکہ ہمارے پاس مادی قوت تو نہیں ہے ' اور اگر ہو بھی ' تو ہم عملی اعتبار سے متحرک نہیں ہو سکتے ' کیونکہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک میں ایسی حکومتیں ' قیادتیں اور حکام ہیں جن کی سیاسیات شرعی سیاست پر مبنی نہیں ' لیکن باذن اللہ ہم ان دو عظیم امور پر کام کرنے کی استطاعت ضرور رکھتے ہیں جو میں نے ابھی بیان کئے۔ پس جب مسلمان داعیان اس اہم ترین واجب کو لے کر کھڑے ہوں گے ایسے ملک میں جہاں کی سیاست شرعی سیاست کے موافق اور اس پر مبنی نہیں ' اور اس اساس پر وہ سب جمع ہو جائیں گے ' تو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس دن ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آئے گا۔

﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ . بِنَصْرِ اللهِ ﴾ (الروم: ۴-۵)

(اس دن مومنین خوشیاں منائیں گے اللہ تعالیٰ کی نصرت پر)

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حکم الٰہی اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حسب استطاعت نافذ کرے

چنانچہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ بقدر استطاعت کام کرے ' اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا۔ صحیح توحید اور صحیح عبادت کے قیام سے لازم نہیں کہ کسی ایسے ملک میں جہاں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے وہاں اسلامی ریاست قائم ہو جائے ' کیونکہ وہ پہلی بات جس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم ہونا چاہیے وہ اقامتِ توحید ہے ' اور اس کے علاوہ بھی بیشک کچھ ایسے خاص امور ہیں جو بعض زمانوں کی پیداوار ہیں جن سے الگ تھلگ رہنا اختلاط سے بہتر ہے ' یعنی ایک مسلمان معاشرے سے الگ ہو کر اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے ' اور خود کو لوگوں کے شر سے بچائے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے ' اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ جو اصل اصول ہے وہ تو یہی

ہے جیسا کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی حدیث میں بیان ہوا: "المؤمن الذی یخالط الناس ویصبر علی أذاھم خیر من المؤمن الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی أذاھم"[1] (وہ مومن جو لوگوں سے مل ملاپ کرتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے اس مومن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور نہ ہی ان کی جانب سے ملنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے) پس ایک اسلامی ریاست بلاشبہ ایک وسیلہ ہے اللہ تعالی کا حکم زمین پر قائم کرنے کا مگر یہ بذات خود کوئی غرض وغایت نہیں۔

بہت عجیب بات ہے کہ بعض داعیان اس بات کا اہتمام تو کرتے ہیں جو حقیقتاً ان کے بس میں نہیں' اور اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان پر واجب ہے اور آسان بھی! اور وہ اپنے نفس کا مجاہدہ کرنا ہے جیسا کہ ایک مسلمان داعی کا قول ہے جس قول کی وصیت میں اس داعی کے پیروکاروں کو کرتا ہوں: "أقیموا دولة الإسلام فی نفوسکم تقم لکم فی أرضکم" (اپنے دلوں پر اسلامی حکومت قائم کرلو وہ تمہارے لئے تمہاری زمینوں پر بھی قائم کردی جائے گی)۔

اس کے باوجود ہم بہت سے ان کے پیروکاروں کو پاتے ہیں کہ وہ اس بات کی مخالفت کرتے ہیں' اپنی دعوت کا ایک غالب حصہ اللہ تعالی کو اس کی حاکمیت میں اکیلے ماننے پر زور دینے میں صرف کرتے ہیں' جسے وہ اس مشہور ومعروف عبارت سے تعبیر کرتے ہیں کہ: "الحاکمیة لله" (حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالی ہی کے لئے ہے)۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حاکمیتِ اعلی صرف اللہ تعالی کے لئے ہی ہے کہ اس میں اور نہ کسی اور چیز میں اس کا کوئی شریک ہے۔ لیکن' ان میں سے کوئی مذاہب ِ اربعہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہوتا ہے اور جب اس کے پاس کوئی بالکل صریح و صحیح سنت آتی ہے تو کہتا ہے یہ میرے مذہب کے خلاف ہے! تو کہاں گیا اللہ تعالی کا حکم اتباع سنت کے بارے میں؟!۔

اور ان میں سے آپ کسی کو پائیں گے کہ وہ اللہ تعالی کی عبادت صوفیوں کی طریقت پر کر رہا ہوگا! تو کہاں گیا اللہ تعالی کا حکم توحید کے بارے میں؟! تو وہ دوسروں سے وہ مطالبہ کرتے ہیں جو اپنے آپ سے نہیں کرتے' یہ تو بہت آسان کام ہے کہ اپنے عقیدے' عبادت' سلوک اور اپنے گھر' بچوں کی تربیت' خرید وفروخت

---

[1] حدیث صحیح: رواه الترمذي (٢٥٠٧)، وابن ماجه (٤٠٣٢)، والبخاري في الأدب المفرد (٣٨٨)، وأحمد (٣٦٥/٥)، من حديث شيخ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وصححه الألباني في الصحيحة (٩٣٩).

میں اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکم کرو جبکہ اس کے برعکس یہ بہت مشکل اور کٹھن ہے کہ تم کسی حاکم کو جبراً کہو یا ایسے حاکم کو معزول کرو کہ جو اپنے بہت سے احکامات میں اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتا ہے' تو کیا وجہ ہے کہ آسان کو چھوڑ کر مشکل راہ کو اپنایا جارہا ہے؟!۔

یہ دو میں سے ایک بات کی طرف اشارہ کناں ہے یا تو یہ بری تربیت و بری توجیہ کا نتیجہ ہے' یا پھر ان کا وہ برا عقیدہ ہے جس نے انہیں اس بات سے روک کر اور پھیر کر جس کو اپنانا ان کی استطاعت میں ہے اس بات کی طرف مائل کر دیا ہے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتے۔ آج کے اس دور میں میں تمام تر مشغولیت کا محور تصفیہ وتربیہ کے عمل کو بنا دینے اور صحیح عقیدے وعبادت کی جانب دعوت دینے کے سوا اور کوئی نظریہ نہیں رکھتا۔ ہر کوئی یہ کام اپنی استطاعت بھر انجام دے' اللہ تعالی کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا' اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

اور درود وسلام ہو ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل پر۔